ان ائمہ کے مسلک کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے لیکن نارمل حالات میں ایسا کرنا قرآنی روح کے خلاف ہے، تین طہروں میں تین طلاقیں تشخیص کرنے سے غرض یہ تھی کہ فریقین کو سوچنے اور وقتی ابال کی وجہ سے عاقبت نا اندیشانہ اقدام پر غور کرنے کا موقعہ مل جائے اس کے باوجود اگر فریقین جڑ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہو سکے تو پھر گھر کی فضا کو مزید تکدر سے بچانے، ان کے ازدواجی رشتہ کو کاٹ پھینکنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ طلاق کا یہ ایک حکیمانہ انداز ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ اور حضرت امام ابن القیمؒ نے اس نکتے کی جو تفصیلات پیش کی ہیں، حرز جاں بنانے کے قابل ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی عمر، جب بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو اغوا کیا تھا، اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟ قرآن اور حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہاں تورات میں آیا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی۔

یعقوب کا احوال یہ ہے کہ یوسف ۱۷ برس کا ہو کے اپنے بھائیوں کے ساتھ گلہ چراتا تھا (پیدائش)

عام فہم کا آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ اتنی عمر کے بچے جوان ہوتے ہیں۔ ان کا اغوا آسان نہیں ہوتا، کنوئیں میں ڈالنے کے لیے ڈول میں بٹھا کر دھکا، پھر اسے نکالنا، بکنا اور اسکو چھپانا یہ سب باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ وہ کم سن بچے تھے۔

غلام کے یہ معنی کرنا کہ اس کی مسیں بھیگنے کو آئیں۔ یعنی بھرپور جوانی کو پہنچے (مفردات راغب) غلام کی عمر کی آخری حد ہے۔ ساری نہیں ہے اور اسی بات کی طرف توجہ نہ دینے کی وجہ سے جو ذہول ہوا ہے، ہوا ہے۔

(فی الشرع یسمی غلامًا الی البلوغ (دستور العلماء ص۲۳/۳)

بس غلام کے سلسلے میں جو مغالطہ لگا ہے، وہ اس کی اسی شرعی اصطلاح کی حقیقت پر غور نہ کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں غُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ کا ذکر کیا ہے۔ یتیم بالغ بچے کو نہیں کہتے، یتیم دراصل نابالغ بچہ ہوتا ہے (مفردات) اس سے معلوم ہوا کہ غلام نابالغ بچے کو بھی کہتے ہیں۔ گرم ممالک میں ۱۷، ۱۸ سال کا بچہ بالغ ہوتا ہے۔

حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک 'غلام' (بچے) کی بشارت دی تھی، ظاہر ہے وہ کم سن بچے کی بابت ہی ہو سکتی ہے "مسیں بھیگے" ہوئے نوجوان تو پیدا نہیں ہوتے۔ جب بچہ عطا ہوتا ہے تو ننھا منھا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام گو اس حد تک ننھے منے نہ ہوں (کیونکہ وہ اپنا خواب بھی خود بیان کرتے ہیں) تاہم وہ ایسے بھی نہیں تھے کہ اسے خود کفیل جوان تصور کیا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد محترم سے اپنی درخواست میں یہ بھی کہا تھا کہ انھیں کل صبح ہمارے ہمراہ بھیج دیجیے کہ وہاں چل کر کھائیں پئیں اور کھیلیں کودیں۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ (پ ۱۲۔ یوسف ع ۲)

کھیل کود اور کھانے پینے کی باتیں کم سن بچوں سے تعلق رکھتی ہیں، جوانوں سے نہیں، خاص کر گرم ممالک میں، ۱۷، ۱۸ سال کا نوجوان، خاصہ جوان ہو جاتا ہے، کھیل کود کی باتیں ایسے جوان کے لیے بے جوڑ سی باتیں ہوتی ہیں، اس کھیل کود کو دورِ حاضر کی کھیلوں اور میچوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کھیل کود کا دور "بے ہوشی" کا دور ہوتا ہے، وہ فن نہیں ہے کہ ۳۰۔ ۳۵ سال کی عمر تک دراز ہے، جب ذمہ داریوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر کھیل کود کا انداز فطری نہیں رہتا، پرستی والا چسکا یا فن بن جاتا ہے۔

اسی طرح بھیڑیا کم سن بچے کا شکار کرتا ہے، اتنے جوان انسان کا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ:

دو عورتیں اپنے دو بچوں (صبیان) کے ہمراہ باہر گئیں، ان میں سے ایک کو بھیڑیا لے گیا، جو بچہ بچ رہا اس کی دونوں مدعی ہو گئیں، وہ کیس حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے بڑی عورت کے حق میں ڈگری کر دی، پھر ان کا گزر حضرت سلیمان پر ہوا، انھوں نے ان سے ماجرا پوچھا جو انھوں نے بیان کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ چھری لے آؤ، میں بچے (الغلام) کے دو حصے کر کے تم میں بانٹ دوں، چھوٹی بولی: کیا آپ اسے چیریں گے؟ فرمایا ہاں! کہا ایسا نہ کیجیے! میرا حصہ بھی اس کو دے دیجیے! آپ سمجھ گئے کہ یہ واقعی اس چھوٹی کا بچہ ہے، چنانچہ اس کے حوالے کر دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

خرجتا امرأتان ومعهما صبيان فعدا الذئب على احدهما فاخذه فاختصمتا في الصبي الباقي فاختصمتا الى داود فقضى به للكبرى منهما فمرتا على سليمان النبي صلى الله عليه وسلم فقال كيف امركما؟ فقصتا عليه القصة، فقال ائتوني بالسكين اشق الغلام بينكما فقالت الصغرى اتشقه؟ قال نعم! قالت لا تفعل! حظي منه لها، قال هو ابنك فقضى به لها (مسند احمد) بخاری كتاب الانبياء میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ مگر الفاظ کم و بیش ہیں۔

اس بچے کو "غلام" بھی کہا گیا ہے جو اتنا کم سن ہے کہ بتا بھی نہیں سکتا کہ میری ماں کون ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ بھیڑیے نے کمسن بچے کا شکار کیا تھا، جو اپنے دفاع کے قابل نہیں تھا۔ چنانچہ

بھائیوں نے کہا تھا کہ ہماری موجودگی میں وہ ایسا کیسے کر سکے گا۔ (یوسف ع)

چنانچہ بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ واقعی وہ بچے ہی تھے اور بچوں کی طرح تھپیڑے کھاتے چلے گئے تھے۔ جیسے بچہ دم بخود ہو جاتا ہے ویسے ہی ان کا حال رہا ہے اور کسی سے بھی اپنی صحیح بپتا نہ بیان کر سکے ورنہ راز افشا ہو جاتا کچھ مشکل بات نہ تھی۔ فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا (یوسف ع) سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ ابھی سن رشد کو نہیں پہنچے تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بلوغت ہے (ابن کثیر) باقی یہ بات کہ سن رشد کو پہنچنے کے بعد بھی انھوں نے اپنا راز نہیں فاش کیا تھا تو یہ متانت ان کی اس انتہا درجے کا نتیجہ تھی جو ہبط جبرائیل بننے والی تھی۔

تختِ سلیمان پر دھڑ۔ جن حقائق اور امور کا تعلق ہمارے مستقبل سے ہوتا ہے اور جن کی تفصیلی کڑیاں معلوم کیے بغیر ایک نظامِ حیات کی تکمیل ممکن نہیں ہوتی، قرآن نے ان کی تشریح، توضیح اور تفصیل کا حق خود ادا کیا ہے اور ان میں سے کسی کے لیے کسی انتظار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، لیکن جن امور کی کیفیت یہ نہیں ہے اور نہ حق تعالیٰ کے حضور ان کے سلسلے کی جواب دہی متعلق ہوتی ہے، خاص کر ایسی باتیں جن کی تفصیل بندوں کے لیے ایک ذہنی مشغلہ کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑتی یا کم مائیگی کی وجہ سے غلط مبحث کی طرف انسان کے ذہن کے منتقل ہونے کا امکان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کی تفصیل اور نشاندہی نہیں فرمائی۔ مگر افسوس! عرصہ دراز سے انسان انہی امور کی نقاب کشائی کے درپے ہو گیا ہے جس سے ذہنی عیاشی اور غیر علمی دریافت کے سوا ان کو اور کچھ وصول نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا کیونکہ ان کا تعلق ان ذرائع سے ہے جو انسان کے علم و تجربہ سے وراء الوراء ہیں۔ اس لیے جن لوگوں نے ان پر طبع آزمائی کا سلسلہ شروع کیا، وہ ناکام رہے یا گمراہ ہوئے اور حماقتوں کے ایسے ایسے دروازے کھولے جن سے لاکھوں حماقتوں اور ضلالتوں نے جنم لیا۔ یہی کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعض واقعات کے بارے میں اختیار کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک امتحان کا ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (پ)۔

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ امتحان کیا تھا، پھر اس میں وہ کامیاب رہے یا نہیں، اسی طرح یہ بات کہ ان کے تخت پر جو دھڑ لا ڈالا گیا تھا، وہ کیا تھا اور اس سے کیا غرض تھی۔ اس سلسلے میں قرآن و حدیث بالکل خاموش ہیں۔